جب اندرا
جوان تھی
کاندھی کے
باڈی گارڈ
نارائن
قلم سے

150

جب اندرا جوان تھی

مصنّف :- پریم نارائن

ترجمہ :- آئی ایچ چوہدری

شہزاد پبلی کیشنز
کشمیری بازار
راولپنڈی

طبع اوّل ناگپور (بھارت) میں ۱۹۴۹ء میں ہوئی

قیمت

ناشر محمد علی

مطبوعہ خورشید پرنٹرز اسلام آباد

اپنے پیارے بھائی

جگت نارائن .... کے نام

جسے بے گناہ پھانسی پر چڑھا کر حکومت وقت نے میرے
دل سے قانون کی قدر و قیمت کو یکسر ختم کر دیا ہے۔

پریم نارائن

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا

اگر آپ اپنے گردو پیش پر نظر ڈالیں تو پاکستان میں آپ کے لیے بڑا ہی وسیع میدان اور بے انتہا امکانات موجود ہیں بشرطیکہ آپ ان کو غور سے دیکھیں اور کام میں لائیں۔

مسلم ایوان تجارت سے خطاب

کراچی ۲۷، دسمبر ۱۹۴۷ء

کچھ اپنی طرف سے :

یہ کتاب پریم نارائن سکنہ نرسنگھ پور ضلع ہوشنگ آباد (نربدا ڈویژن) نے سنہ ۱۹۴۹ء میں ناگپور میں چھپوائی۔ ابھی اس کتاب کی صرف تیس کاپیاں فروخت ہوئی تھیں۔ کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے حکم سے خفیہ پولیس حرکت میں آئی کتاب کا مسودہ اور مطبوعہ کتابیں قبضے میں لے کر۔ مصنف۔ اور پرنٹر اور پبلشر کو گرفتار کر لیا گیا۔

فروخت شدہ کتابیں برآمد کرنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ تیرہ دنوں کی ان تھک کوشش کے بعد ستائیس کتابیں برآمد کر لی گئیں۔ مگر بقیہ کتابوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ ان تین کتابوں میں ایک کتاب گذشتہ ماہ افغانستان میں جبلپور کے ایک ٹھاکر گیان سنگھ سے ہم نے سولہ سو روپے میں خریدی۔ صرف اس لئے کہ پاکستان کے عوام بھی بھارت کی مایہ ناز سپتری کے کالے کرتوتوں سے واقف ہو سکیں۔

؎ وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر ملے

کتاب کے مضمون میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں کیا گیا صرف ہندی سے آسان اردو میں ترجمہ کر کے آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ مصنف کے بارے میں ٹھاکر گیان سنگھ نے بتلایا۔

" میں پریم نارائن کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ وہ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء سے

نومبر ۱۹۴۸ء تک پنڈت جواہر لال نہرو کا ذاتی ڈرائیور اور اندرا نہرو (بعد میں اندرا گاندھی) کا ذاتی محافظ یعنی باڈی گارڈ رہ چکا ہے۔ موصوف گریجویٹ ہیں اور صرف چند حقائق کو منظر عام پر لانے کے جرم میں بغیر مقدمہ چلائے اکیس سال تک جیل کی کال کوٹھڑی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ۱۹۷۰ء میں ایک گمنام موت مر گیا۔ میں گذشتہ سال جون میں جب اُس کی ملاقات کے لئے جیل گیا تھا تو اس نے اپنے سفید بالوں کا واسطہ دے کر مجھے مجبور کیا کہ میں فلاں آدمی سے کتاب لے کر کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچا دوں گا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ اپنے کسی دوست سے کچھ رقم ادھار لے کر میں نے افغانستان آنے کے لئے پاسپورٹ ویزا اور کرایہ کا بندوبست کیا۔ یہ رقم جو میں کتاب کے عوضانے کے طور پر لے رہا ہوں۔ یہ محض اس لئے ہے کہ میں اپنا قرضہ بھی چکا دوں۔ اور اپنے دوست سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر لوں۔ پریم نارائن نے یہ کتاب کیوں لکھی اس کا تذکرہ اُس نے اپنے "پیش لفظ" میں کر دیا ہے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرا دوست ایک دلیر آدمی تھا۔ جس نے سچ کہنے کی جرأت کی اور بغیر کسی قانونی سزا کے بیس سال تک کال کوٹھڑی میں پڑا رہا مگر اُف تک نہ کی"

آئی۔ ایچ۔ چوہدری

راولپنڈی ۱۹۷۱ء

ع

مَیں کسی کو بُرا کہوں ...... تو یہ

ساری دُنیا سے خود بُرا ہوں مَیں ...

پیشِ لفظ

تین ماہ پہلے جب میرے پیارے بھائی کو بے گناہی کے جرم میں عدالت عالیہ نے سزائے موت سنائی تو میری رُوح تک کانپ اٹھی۔ میں نے اندرا گاندھی کو صحیح حالات بتائے۔ بلکہ نہرو کی منت سماجت کی۔ پنڈت جواہر لال کے پاؤں پکڑے۔ انہیں چیخ چیخ کر اپنے بھائی کی بے گناہی کا یقین دلایا۔ لیکن میری خدمات کا صلہ مجھے ان کی مکمل خاموشی کی صورت میں ملا۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس اس لئے بھجوا دیا گیا کہ بھائی کی موت سے میرے اعصاب پر بُرا اثر پڑا ہے میرے ذہن کو دھچکا لگا ہے۔ موثر علاج سے میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ مگر میری آتشِ انتقام بھڑک اٹھی۔ میں نے دورانِ ملازمت جس طرح اندرا کو بلا تخصیص مذہب و ملت اپنی جوانی لٹاتے اور مختلف "بڑے لوگوں" کے ساتھ دادِ عیش دیتے دیکھا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر میں مسکرا اٹھتا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی ناموس کے لئے میں نے جو راز سالہا سال سے اپنے سینے میں چھپا رکھے تھے وہ مجھے بوجھ محسوس ہونے لگے۔ میں نے محض اپنے مالک کی بدنامی کی غرض سے ان رازوں کو راز رکھ چھوڑا تھا۔ مگر میرا پیارا بھائی بے گناہ پھانسی کے پھندے تک جا پہنچا اور میں پنڈت جواہر لال کا ذاتی ڈرائیور اور اندرا گاندھی کا باڈی گارڈ ہوتے ہوئے بھی اُس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ لیکن آج میری قلم میرے

قابو میں نہیں آج میں دنیا والوں کو ان بڑے لوگوں کے بکمروہ کردار بتا دینا
چاہتا ہوں جنہیں ہمارے معصوم عوام قابل قدر گردانتے ہیں۔

میں جو کچھ اس کتاب میں کہوں گا اپنے مرحوم بھائی کی قسم کھا کر کہتا ہوں
بالکل سچ کہوں گا۔ اندرا یا پنڈت جی چاہیں تو میرے خلاف مقدمہ بنا کر دیکھ لیں
میں اپنے ہر لفظ کی سچائی کا ثبوت علی الاعلان پیش کر سکتا ہوں۔

★ میرے پاس ان عشقیہ خطوط کی نقلیں اور وہ رقعے موجود ہیں جو اندرا
میری وساطت سے بھجوایا کرتی تھی۔

★ میرے پاس وہ تصاویر موجود ہیں جب اندرا ہوٹل امپیریل میں دھرم
بھائی ڈیسائی کے ساتھ اور شادی سے پہلے پنڈت جی اور کملا دیوی
کی عدم موجودگی میں اپنے کمرے میں فیروز گاندھی کے ساتھ دادِ عیش
دے رہی تھی اور میں ہر موقع پر پردے کے پیچھے کیمرہ لئے کھڑا رہتا
تھا۔

★ میرے پاس دس ہزار روپے کا چیک موجود ہے جو فیروز گاندھی نے
مجھے شادی سے پہلے اس لالچ میں دیا تھا کہ میں ان کے دیرینہ
تعلقات کو طشت از بام نہیں کروں گا مگر میں نے آج تک اس
چیک کو کیش نہیں کرایا۔

★ شملہ کانفرنس کے موقعہ پر اندرا لارڈ ویول کے ساتھ ۲/۱ ۲ گھنٹے
ایک کمرے میں بند رہی اور میرا ٹیپ ریکارڈر مجھے یہ راز بھی سمجھا
گیا کہ لارڈ ویول کو کانگریس کی حمایت پر کیونکر آمادہ نہ کیا جا سکا۔

★ اور اگر یہ تمام ثبوت کم ہوں تو کیا اندرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
یہ بتا سکتی ہے کہ جب ۲۱ - ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب بارہ بجکر
پچیس منٹ پر وہ شب خوابی کے لباس میں میرے کمرے میں آکر میرے
بستر پر بیٹھی تو میں اٹھ کر باہر کیوں چلا گیا تھا۔

ھے خوشی ہے کہ اپنے بے گناہ بھائی کی موت کے وقت میں نے اُس سے جو
ہ کیا تھا اسے پورا کر رہا ہوں لیکن ایک بات کی معافی ضرور چاہوں گا کہ
ادیب یا پیشہ ور مصنف نہیں۔ اگر میری کتاب میں کچھ ادبی خامیاں رہ
یں۔ تو انھیں نظر انداز کر دیجئے گا۔ میں صرف حقیقت حال آپ کے
منے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کتاب مارکیٹ میں آتے
مجھے کوئی سخت ترین سزا دی جائے گی۔ مگر اس وقت میری روح تسکین
کی ہوگی۔ میں اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر چکا ہوں گا۔

پریم نارائن
۱۹۴۹ء

جونہی اندرا نہرو وشوا بھارتی کی تعلیم سے فارغ ہوئی مجھے ایک انٹرویو کے ذریعے اس کا باڈی گارڈ مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ میرے ذمہ بوقت ضرورت ڈرائیونگ کے فرائض بھی شامل تھے۔ اس روز اندرا نہرو کو میں نے پہلی دفعہ قریب سے دیکھا۔

بھوری آنکھیں۔ ستواں ناک۔ پرکشش چہرہ۔ گورا رنگ دراز قامت متناسب اعضاء اور اس پر شوخ رنگ کا لباس۔ یہ تھی اندرا... کچھ خود سر اور غصے کی تیز بھی تھی۔ مگر بذلہ سنجی میں قدرے فراخدل بھی شاید اسی وجہ سے اپنی سوسائٹی اور ہم عمروں میں مقبول تھی۔ انفرادی شخصیت کی مالک تھی اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے عام زندگی میں مغرور بھی تھی۔ شروع شروع میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ دن کا بیشتر حصہ مجھ سے دور گزارنا چاہتی ہے۔ یہ بات میں نے پنڈت جواہر لال سے کی تو ان کے تیور بگڑ گئے۔ مجھے سخت تاکید کی گئی کہ میں اندرا کو کسی وقت بھی تنہا نہ چھوڑوں۔ ماسوا اس کے کہ وہ اپنے کمرے میں ہو یا گھر کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ......... یہ حکم جب میں نے اندرا نہرو کو سنایا تو بہت جز بز ہوئی۔ لیکن آخر باپ کا حکم تھا ماننا پڑا۔ پھر تو یوں ہوتا کہ اندرا کلب یا سینما جائے کسی میٹنگ یا فنکشن

میں شرکت کرنا ہو۔ کہیں پکنک یا دعوت کا پروگرام ہو کسی دوسرے شہر کا دورہ ہو حتیٰ کہ بیرونی ممالک میں بھی میں ہر وقت اندرا کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔ میری اس تندہی سے خوش ہو کر پنڈت جی نے میری تنخواہ میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ اُدھر اندرا نہرو مجھے وقتاً فوقتاً کچھ رقم دے دیا کرتی۔ اور میں اس ملازمت پر خوش رہنے لگا۔ لیکن ایک بات پر شروع شروع میں میرے اور اندرا کے درمیان کچھ ناچاقی پیدا ہو گئی۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ یہی کچھ بتانے کے لئے میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔

جون ۱۹۳۸ء میں بالک سیوک سمیتی (جس کی بنیاد خود اندرا نے دو سال پہلے رکھی تھی) کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ شام ساڑھے چار بجے جلسہ شروع ہوا۔ جلسہ کے بعد اراکین کمیٹی اور معزز مہمانوں کے اعزاز میں ایک ڈنر کا اہتمام کیا گیا۔ جن خواتین و حضرات کو مدعو کیا گیا تھا ان میں بھولا بھائی ڈیسائی کا لڑکا دھیرو بھائی ڈیسائی بھی آیا ہوا تھا۔ دھیرو مردانہ وجاہت کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ اور اندرا کے ساتھ سومروِلے کالج آکسفورڈ میں زیرِ تعلیم رہ چکا تھا۔ ڈنر سے فارغ ہو کر مہمان خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اندرا نے مجھے ایک طرف بلا کر کہا " دھیرو جی کو میرا یہ رُقعہ پہنچا دو لیکن خیال رہے کسی کے سامنے نہیں "

ان آخری الفاظ نے میرے دِل میں ایک تجسس پیدا کر دیا۔

میں نے رقعہ لے لیا۔ اندرا چلی گئی۔ اور مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی
میں باہر برآمدے میں نکل آیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اندر جھانکا تو
خالی تھا۔ جا کر اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور رقعہ پڑھنے
لگا۔ رقعہ انگریزی میں لکھا گیا تھا۔

" مائی ڈیر دھیرو

ان گنت پیار

گذشتہ اتوار میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ پتا جی نے مجھے
مجبور کیا کہ میں ان کے ساتھ دہلی چلوں مگر میں نے صرف تمہاری وجہ
سے بہانہ بازی کی۔ اور سارا دن بیمار بن کر لیٹی رہی۔ مگر تم نہ آئے
اگر مجھ سے کوئی غلطی یا گستاخی ہو گئی ہو تو درگزر کر دینا۔ آخر
میری باتیں ایک محبوب کی باتیں ہیں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے دھیرو
کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔ میں آج رات دس بجے تمہیں ڈنیری کلب
میں ملوں گی۔ میرا انتظار کرنا۔ پھر ہم صبح تک اکٹھے رہیں گے کل
رات صرف اور صرف ہماری ہو گی۔ پھر نہ جانے کب ملیں۔

تمہاری داسی

اندرا نہرو

یہ خط پڑھ کر میں مسکرا اٹھا۔ دوبارہ بند کر کے جیب میں رکھ
لیا اور کمرے سے نکلا۔

دھیرو جی مہمانوں کے ساتھ کانگریس اور مسلم لیگ کی مفاہمت

کی افادیت پر بحث کر رہے تھے۔ میں نے ان کے قریب جا کر کہ

" آپ کا ٹیلیفون آیا ہے"۔

دھیرو اپنی سیٹ سے اٹھے اور مہمانوں سے معذرت کر کے میرے ساتھ چل پڑے۔ اندرا کن انکھیوں سے ہمیں جاتا دیکھ رہی تھی۔ برآ سے ہوتے ہوئے جب ہم اس کمرے میں پہنچے جہاں میں نے بیٹھ رقعہ پڑھا تھا۔ تو میں نے رقعہ جیب سے نکال کر انہیں دیدیا رقعہ پڑھ کر دھیرو جی کے چہرے پر کچھ ناخوشگواری کے آثار پیدا تو میں نے پوچھا۔

اتنے خوبصورت پیغام کو پڑھ کر بھی آپ خوش نہیں ہوئے۔

" بات یہ ہے دوست کہ میں اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں"

" لیکن تحریر تو یہ بتاتی ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں"

دھیرو جی صوفے بیٹھے ہوئے بولے۔" ہاں ...... کبھی تھے ...... جب آکسفورڈ میں تھے۔ اب تو میری سگائی کر دی گئی ہے اور اگلے ماہ میری شادی ہونے والی ہے۔ میں نے گذشتہ ماہ ملاقات میں اندرا کو یہ سب کچھ بتا بھی دیا تھا۔ مگر وہ مانتی ہی نہیں"۔

میں نے دوبارہ پوچھا " سومرویلے کالج میں"

"ہاں" پھر قدرے سوچ کر کہنے لگے۔

"بہرحال اسے کہہ دینا کہ میں آج رات ۹ بجے والی گاڑی سے دہلی جا رہا ہوں۔ یہ پروگرام کسی دوسرے دن پر چھوڑ دو"۔
"جی بہت بہتر"، کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھنے والا ہی تھا کہ دھیر و جی نے دوبارہ مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور دفعتہ مجھے واپس پکڑاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جیب سے ایک سو روپے کا نوٹ نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے "شکریہ" کہہ کر نوٹ لے لیا۔ اور دھیرو جی کمرے سے نکل کر سیدھے اپنی گاڑی کی طرف چلے گئے۔ میں ان کی گاڑی کو گیٹ سے نکلنے دیکھتا رہا تھا۔ اندرا اتنی کم عمر ہونے کے باوجود کتنی عیاش ہے۔ ابھی پچھلے دنوں اندرا جب کلکتہ میں سیاسی جلسوں میں شرکت کے لئے بہانے وہاں پہنچی تو مہاتما گاندھی کے لڑکے دیوداس بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تین دن اور تین راتیں ان دونوں نے اکٹھے گذاریں۔ جو کچھ یہ لوگ وہاں کرتے رہے وہ مجھ سے مخفی نہ تھا۔ مگر مجھے کیا۔ مجھے تو سو دو سو روپے اس رشوت کے مل جاتے کہ میں اندرا کے ان رازوں کو راز رکھ سکوں۔

دھیرو جی کی گاڑی کبھی کی جا چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اندرا میرے پاس آ کر کھڑی ہے۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے بتایا کہ دھیرو جی کہہ رہے تھے کہ میں ابھی ۹ بجے والی گاڑی سے دہلی جا رہا ہوں۔ یہ پروگرام کسی اور دن پر رکھ لیجئے"۔

اندرا کے ماتھے پر یہ سن کر بل آ گئے اور وہ ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ نگاہیں گیٹ کی طرف تھیں "کہاں چلا گیا"
"پتہ نہیں گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے ہیں" اندرا نے مجھے کہا کہ میں اندر جا کر مہمانوں سے معذرت کر آؤں کہ اس کے سر میں درد ہے اور ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔

میں نے کہا "کچھ دیر اور ٹھہر جائیے ابھی مہمان چلے جائیں گے" اندرا بڑے کرب سے چیخی۔ "جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ کرو" میں اندر گیا۔ مہمانوں سے اندرا کی طرف سے معذرت چاہی اور باہر نکل آیا۔ اندرا گاڑی میں خلاف توقع اگلی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسٹرنگ سنبھالا اور گاڑی سڑک پر نکال لی۔

اندرا سارا راستہ خاموش رہی۔ میں نے ایک دو بار بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں ماسوائے خاموشی کے اور کچھ نہ تھا۔

آنند بھون پہنچتے ہی اندرا اپنے کمرے کی طرف لپکی اور میں گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

نومبر ۱۹۴۰ء کی بات ہے پنڈت جواہر لال نہرو کی سالگرہ میں شرکت کے لئے اندرا نہرو اور پنڈت جی کی بہن سروپ کماری کو لے کر میں دہلی سے الہ آباد آ رہا تھا۔ گاڑی دہلی اسٹیشن

سے شام ساڑھے سات بجے چھوٹتی ہے۔ ہم سات بجے اسٹیشن پر پہنچے سیٹیں پہلی ہی ریزرو کر لی گئی تھیں۔ کیبن میں ہم تینوں سوار ہو گئے۔ ابھی چوتھی برتھ خالی تھی میں ریزرویشن کارڈ دیکھا تو اس پر لکھا تھا" مسٹر فیروز گاندھی" اندرا کے چہرے پر نام سُن کر رونق آ گئی"۔

سات بجکر بیس منٹ پر مسٹر فیروز گاندھی بھی کیبن میں آ گئے۔ اندرا نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ مسٹر فیروز میرے ساتھ بیٹھ گئے اور وہ دونوں سامنے والی برتھ پر تھیں گاڑی چلی تو کیبن کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں کچھ نیند محسوس کر رہا تھا۔ میں اوپر کی برتھ پر بستر بچھا کر لیٹ گیا۔ اندرا کہنے لگی۔ کھانا کھا کر سو رہنا میں نے کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ ابھی میں سویا نہیں تھا کہ بیرہ آ گیا۔ اندرا نے پھر ایک بار پوچھا میں نے دوبارہ نفی میں جواب دیا اور سو گیا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میری آنکھ کھلی تو کیبن کی لائٹ آف تھی اور گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ میں نے پیشاب کی حاجت محسوس کی برتھ سے نیچے اترنے کے لئے جب میں نے نچلی برتھ پر پاؤں رکھا تو وہ مجھے خالی محسوس ہوئی۔ میرے ذہن میں ایک خیال بجلی بن کر کوندا۔ میں ٹٹولتا ہوا سوئچ تک پہنچا میں نے روشنی جلائی اور پھر مجھے فوراً دوبارہ بند کرنا پڑی۔ اندرا

اور فیروز میرے سامنے اوپر والی برتھ پر اکٹھے لیٹے ہوئے تھے۔ میرے روشنی کرنے پر ایک دم اندرا اٹھ بیٹھی مگر صرف ایک جھلک میں، میں نے جو کچھ دیکھا وہ.........ناقابل بیان ہے۔ میں جلد لیٹرین میں چلا گیا اور سوچتا رہا یہ لوگ جو دوسروں کے سامنے نیک اور پارسا بنے رہتے ہیں خود ان کا کردار کتنا گھناؤنا ہوتا ہے۔ حاجت وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں قصداً وہاں کافی دیر کھڑا رہا اپنی خیالات میں ڈوبا رہا۔ کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو اندرا کھڑی تھی۔

میں لیٹرین سے نکلا تو وہ اندر چلی گئی۔ کیبن کی روشنی جل رہی تھی۔ فیروز اپنی برتھ پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں جب اوپر والی برتھ پر چڑھنے لگا تو مجھے اشارہ سے اپنے قریب بلایا۔ اور سو سو روپے کے دو نوٹ میری طرف بڑھائیے۔ میں نے سروپ دیوی کی طرف دیکھا تو وہ دُنیا و ما فیہا سے بے خبر پڑی سو رہی تھیں۔ میں نے نوٹ پکڑ لئے اور برتھ کے اُوپر چڑھ کر لیٹ گیا۔ لیکن اَب نیند مجھ سے کوسوں دُور تھی میں سوچ رہا تھا کہ خدا کسی کو ایسی بیٹی نہ دے تو اچھا ہے۔ جسے ہوس پرستی نے اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ تنہائی میسّر نہ ہونے پر بھی اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل میں کوتاہی نہیں کرتی۔ اُسے اتنا خیال نہیں کہ اگر، پھوپھی جاگ گئیں تو کیا ہوگا میں بحیثیت ایک ملازم کے ان کے ساتھ

تھا مگر اندرا کی آنکھوں میں اتنی شرم بھی باقی نہ تھی کہ مجھ سے
پردہ پوشی کرتی۔ میں بھی اب ان باتوں کو ذرا کم ہی سوچا
کرتا تھا۔ اگر خود اندرا کو اتنا احساس نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔
پھر کیوں نہ اپنا ہی فائدہ سوچا جائے۔ مجھے اندرا یا اس کے چاہنے
والے رشوت کے طور پر جو کچھ بھی دیتے ہیں خوشی سے لے لیتا۔ اور
میں یہ خوب جانتا تھا کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ میں اپنی زبان
نہ کھول۔ اندرا کافی دیر کے بعد باہر نکلی لائٹ آف کی اور اندھیرے
میں میں نے دیکھا کہ وہ اپنے برتھ پر چڑھنے کی بجائے دوبارہ،
فیروز کے پاس آ گئی۔ پہلے بیٹھی رہی اور پھر اس کے سینے پر سر رکھ کر
لیٹ گئی۔ سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ کافی دیر بعد ایک بوسے کی آواز
آئی اور اندرا اٹھ کر اپنے برتھ پر چلی گئی۔ چند ہی لمحوں بعد مجھے
دوبارہ نیند آ گئی۔ اور میں سو گیا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد پھر میری آنکھ
کھل گئی۔ وقت دیکھا تو چار بج رہے تھے۔ میں فوراً اٹھا لائٹ جلائی
اندرا سو رہی تھی۔ اور کچھ اتنا عجب انداز تھا کہ میں چند لمحے صرف
اسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً مجھے وقت کی کمی کا احساس ہوا۔ اور سب سے
پہلے اندرا کو جگایا کیونکہ الہ آباد آنے والا تھا۔ اندرا جب
اپنا آپ سنبھال چکی تو میں نے سردیپ دیوی کو آواز دی۔ وہ
بھی اٹھ بیٹھیں اور ہم اپنا سامان سنبھالنے لگے۔ فیروز بھی اٹھ کر
بیٹھ گئے۔

چار بجکر پچاس منٹ پر گاڑی الہ آباد کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ ڈرائیور اور سیکرٹری ہمیں لینے کے لئے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ جب ہم آنند بھون پہنچے تو اجالا پھیل چکا تھا۔ پنڈت جی سوئمنگ پول کی طرف سے نہا کر واپس آ رہے تھے۔ برآمدے میں ملاقات ہوگئی۔ کملا رانی بھی آوازیں سن کر باہر آئیں۔ اگرچہ کچھ علیل تھیں۔ پھر سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اندرا شائد اپنے کمرے میں جا کر سو گئی تھی۔ کیونکہ دوپہر سے پہلے میں نے انھیں دوبارہ نہیں دیکھا۔

شام چار بجے مہمان آنا شروع ہو گئے سالگرہ منائی گئی اور رات گئے تک محفل جمی رہی۔ گاندھی جی کا لڑکا دیوداس بھی آیا ہوا تھا۔ رات گیارہ بجے کا عمل ہوگا۔ میں باغیچے میں کھڑا تھا۔ کہ دیوداس میرے پاس آئے اور مجھے دو کاغذ دے کر کہا کہ یہ رقعہ اندرا کو دے دینا۔ میں یہیں پہ جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں نے جب ذرا غور سے دیکھا تو ایک کاغذ تھا۔ اور دوسرا ایک سو روپئے کا نوٹ۔ دیوداس شاید میری ان حرکات کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے نوٹ جیب میں ڈالا تو ان کا فلک شگاف نعرہ قہقہہ دیر تک میرا تعاقب کرتا رہا۔

میں اندرا نہرو کو ڈھونڈتا ہوا جب دوسری منزل پر پہنچا تو اندرا ایک مقامی مسلمان تاجر راجہ افتخار علی خان کی کمر میں ہاتھ ڈالے مغربی موسیقی کی لے پر کمر سے تھرک رہی تھی نہ جانے یہ

موسیقی کا تقاضا تھا یا باہمی بے تکلفی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چمٹ کر رہ گئے تھے۔ اور موسیقی کی ایک مخصوص آواز پر بوسہ بازی بھی ہو رہی تھی۔ اندرا نے ایک نظر مجھے بھی دیکھا مگر محوِ رقص رہی۔ میں واپس بالکونی میں آگیا اور رقعہ کھول پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"اندرا ڈیئر"

دائیں باغیچے میں کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ سر میں درد محسوس کر رہا ہوں مگر الوداعی بوسہ لئے بغیر ٹلوں گا بھی نہیں"

صرف تمہارا

"دیوداس"

میں مسکرا اٹھا حیران بھی تھا کہ اکیلی اندرا اتنے چاہنے والے خدا خیر کرے رقعہ ختم کیا ہی تھا کہ موسیقی کی آواز ختم ہو گئی۔ میں دوبارہ برآمدے میں آیا تو راجہ صاحب اندرا کے شانوں پر ہاتھ رکھے کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر راجہ صاحب نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اندرا سے اجازت لے کر نیچے اتر گئے اندرا میری طرف بڑھی ... "کیا بات ہے"۔ "مسٹر دیوداس دائیں باغیچے میں انتظار کر رہے ہیں۔" باغیچے میں کیوں!" "خدا جانے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اندرا نہ جانے کیا بڑبڑائی واپس

ہو گئی۔ اور سیڑھیاں اترنے لگی۔ میں دیوداس کے دیئے ہوئے رقعے کو اپنی جیب میں رکھتا ہُوا واپس باغیچے میں آ گیا۔ اور جھنڈی کے باڑ کے دوسری طرف دبے پاؤں چلتا ہوا دیوداس کی بالکل پشت پر پہنچ گیا۔ دیوداس کلوپیٹرا کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ چند لمحوں بعد اندرا برآمدے سے نیچے اتری باغیچے کے دروازے میں آ کر ٹھہر گئی پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر سیدھی دیوداس کے پاس آ گئی۔ باغیچے کے اس کونے میں قدرے تاریکی تھی۔ اندرا آتے ہی دیوداس کی باہوں میں جھول گئی۔ دیوداس کی آواز آئی۔
"اندرا..... آج تمہارا رویہ کچھ بدلا بدلا سا دکھائی دیتا ہے"
"نہیں ڈیر۔ ایسی تو کوئی بات نہیں البتہ ذرا مصروفیت کی وجہ سے زیادہ تو توجہ نہ دے سکی۔ معذرت چاہتی ہوں"۔ چند لمحے خاموشی کے بعد ایک بوسے کی چٹاک سنائی دی۔ پھر سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ چند لمحوں بعد سرگوشیاں بھی بند ہو گئیں میں نے ایڑیاں اٹھا کر باڑ کی دوسری جانب دیکھا تو اندرا نے پھر دیوداس کے لبوں میں اپنے لب پیوست کر رکھے تھے۔ اور دیوداس کے بازوؤں کا حلقہ اور تنگ ہو چکا تھا۔ دیوداس پھر بولا۔ "کل ہمارے ہاں چائے پر آؤ گی"۔ اندرا۔ "ضرور آؤں گی"۔
دیوداس۔ بہت اچھا۔
دیوداس نے جیب سے رومال نکالا اور منہ پر پھیرتا ہُوا

کار پارک کی طرف چلا گیا۔ اندرا کچھ دیر وہیں ٹھہری رہی اور پھر وہ بھی واپس چلی گئی۔ اس کے جانے سے کچھ دیر بعد میں بھی وہاں سے ہٹ گیا۔

دوسرے روز شام ساڑھے تین بجے اندرا گھر سے یہ کہہ کر کہ میں انڈین کونسل آف چلڈرن ویلفیئر کی میٹنگ میں جا رہی ہوں۔ (اندرا اس کونسل کی نائب صدر ہے) مجھے ساتھ لیا اور دیوداس کے گھر چل دیئے دیوداس نے الہ آباد میں ایک بنگلہ کرائے پر لے رکھا تھا جب ہم وہاں پہنچے تو دیوداس باہر برآمدے میں کھڑے تھے۔ لپک کر کار کا دروازہ کھولا اور اندرا کو لے کر اندر چلے گئے۔

تقریباً ۲ گھنٹے بعد اندرا واپس آئی تو بہت غصے میں دکھائی دیتی تھی۔ میں نے گاڑی گیٹ سے نکالتے ہی پوچھا۔

"خیریت تو ہے آپ کا موڈ آف دکھائی دیتا ہے"۔

اندرا پھٹ پڑی۔" ہاں۔ خبیث نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے"

"آپ مسٹر .... دیوداس کے بارے میں کہہ رہی ہیں"۔

"ہاں ..... اسی کم بخت کے بارے میں"۔

"لیکن آپ تو انھیں بے حد پسند کرتی ہیں"۔

" دیوداس کی تخصیص نہیں۔ مسٹر نارائن ...... میں ہر نوجوان کو پسند کرتی ہوں۔ لیکن یہ کمینہ سمجھتا ہے کہ میں اس کی جاگیر ہوں۔ زر خرید لونڈی ہوں ...... ابھی اس نے میرا غصہ نہیں دیکھا ......

میں نے بات کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ یقیناً اندرا دیوداس کے ساتھ کسی بات پر الجھ بیٹھی تھی۔ چند دنوں میں یہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور پھر اندرا جیسی عورت جو مردوں کی آغوش میں جانے کے لئے دن رات سے بے قرار رہتی ہے۔ دیوداس جیسے مرد سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی۔ لہذا میں نے دیوداس کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔ اور بقیہ سفر نہایت خاموشی سے کٹا۔

میرے بارے میں اندرا کا رویہ شروع کے چند ماہ چھوڑ کر دوسرے ملازمین کی بہت مختلف تھا۔ وہ میرے ساتھ بے تکلف بھی تھی اور قدرے غیر محتاط بھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں یہ معلوم کرنے کے لیئے کہ اندرا ابھی باہر جانے کے لئے تیار ہوئی ہے یا نہیں بغیر دستک دیئے اس کے کمرے میں چلا جاتا اور وہ میری موجودگی میں بھی کپڑے وغیرہ تبدیل کر لیتی۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ میں نے اس کے بلاؤز کے زِپ بند کی۔ مگر ایسے لمحات میں، میں اپنے جذبات پر پورا قابو رکھتا اور اُسے کبھی یہ محسوس نہ ہونے دیتا کہ یہ بے تکلفی اسے کبھی بہت مہنگی پڑے گی۔

دہلی میں کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش زوروں پر تھی۔ اندرا سیاست کے میدان میں کچھ اس قدر مصروف تھی کہ اسے کئی کئی دن اپنے آپ کا بھی ہوش نہ رہتا۔ ایک روز کانگریس کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس سے واپس آرہے تھے پنڈت جی وہاں سے سیدھے سردار پٹیل کے ہمراہ ان کی قیام گاہ پر چلے گئے۔ میں ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اندرا پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی کہنے لگی " نرائن جی ...... سر میں درد محسوس ہو رہا ہے"۔

" ڈاکٹر صاحب کے ہاں لے چلوں"؟

"نہیں گھر پر ہی بلوا لینا"۔

"آپ اتنی محنت نہ کیا کریں۔ دن رات آپ بغیر آرام کے کانگریس کی خدمت کرتی رہتی ہیں"۔

"اسی میں ہماری بہتری ہے۔ ہماری قوم کی بہتری ہے"۔

"کبھی اپنی بہتری بھی سوچ لیا کیجئے"۔

"ہاں .... آج ارادہ کر رہی ہوں"۔

میں فوری طور پر اس فقرے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اور خاموش ہو گیا۔ گھر پہنچے تو رات کے ۹ بج چکے تھے۔ اندرا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور میں نے گاڑی لاک کر کے ڈاکٹر کو ٹیلیفون کیا معلوم ہوا کہ وہ کلب گئے ہوئے ہیں اندر کو بتلایا تو اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔ آپ ذرا میرا سر دبا دیں شائد ٹھیک ہو جائے۔ لیکن ایسے نہیں پہلے یہ لباس تبدیل کر آیئے"۔

میں لباس تبدیل کر کے جب واپس آیا تو اندرا کی بیڈ کے پاس سائیڈ ٹیبل پر کچھ سینڈ وچ اور گرما گرم کافی رکھی ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

"میں تو سر میں درد کی وجہ سے صرف کافی پیوں گی ابھی آپ نے بھی شائد کھانا نہیں کھایا۔ آپ سینڈ وچ لے لیں"۔

میں ایک صوفہ پر بیٹھ کر سینڈ وچ کھانے لگا۔ پھر کافی پی۔ اس اثنا میں اندرا اپنے ڈریسنگ روم سے لباس تبدیل کر آئی۔

اس نے وہ نائٹی پہن رکھی تھی جو دھیرو بھائی گذشتہ ماہ انگلستان سے اندرا کے لئے بطورِ تحفہ لائے تھے۔ بالکل باریک نائیلن کی بنی ہوئی جس میں سے اندرا کا انڈر ویر اور بنیان صاف نظر آرہے تھے بقیہ جسم کے خطوط بھی بالکل واضح تھے۔

اندرا اپنے بیڈ پر لیٹ گئی میں سرہانے کی جانب کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا اور سر دبانا شروع کر دیا۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اندرا کی طبیعت لمحہ بہ لمحہ بے چین ہوتی جارہی ہے۔ مگر میں ملازم بھی تھا۔ اپنی اوقات کو نہ بھولا اور آنکھیں بند کئے صرف سر دباتا رہا۔ آخر مرد تھا۔ اندرا کے جسم کی حرارت بڑھتی چلی گئی۔ اور مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ کہ اندرا بولی۔ "نرائن تم بالکل بدھو ہو........"

"جی؟" میں گھبرا گیا۔

"جی کیا۔ جاؤ دھیرو جی کو ٹیلیفون کرو اور انہیں کہو کہ بعض تازہ مسائل پر آپ سے کچھ بحث کرنا ہے۔ لہٰذا فوراً چلے آئیے"

اندرا کی آواز گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔

میں "بہت اچھا" کہہ کر غصّے میں پیچ و تاب کھاتا ٹیلیفون کرنے چلا گیا۔ ٹیلیفون کر کے واپس اندرا کے کمرے میں جانے کی بجائے اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اور دل میں وعدہ کیا کہ اس بات کا اندرا سے ضرور بدلہ لوں گا۔ خواہ اس کے لئے مجھے اپنی

ملازمت سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونا پڑیں۔ ایسی ملازمت جس میں، میں ماہانہ دو تین ہزار سے زائد روپیہ کما لیتا ہوں۔ اور لگی بندھی تنخواہ اس کے علاوہ ہے۔ لیکن صرف اس بات پر کچھ گزرنا حماقت بھی تھی۔ لٰہذا میں نے کوئی دوسرا طریقہ سوچنا شروع کر دیا۔ اندرا کے تمام رقعے اور ان کی نقلیں میرے پاس محفوظ تھیں۔ اور میں جس وقت چاہتا اندرا کو بلیک میل کر سکتا تھا۔

اندرا دھیرو جی کا انتظار کرتی رہی مگر شائد وہ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ پنڈت جی سردار پٹیل کے ہاں تھے۔ اور معمول کے مطابق وہاں شطرنج ہو رہی ہو گی۔ جس کی محفل صبح کے قریب ختم ہوا کرتی تھی۔ کملا دیوی پچھلے چند دنوں سے ہسپتال میں تھیں۔ ان کو گردے کی تکلیف تھی۔ اچانک اندرا کے کمرے سے وائلن کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑے مدھر تان میں وائلن بجایا کرتی۔ اس نے ایک دفعہ خود بتایا تھا کہ وائلن اس نے کانونٹ سکول الہ آباد میں سیکھا تھا اور عموماً پنڈت جی مہمانوں کی موجودگی میں اندرا سے وائلن کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد ساز رک گیا۔ میرا بستر کھڑکی کے بالکل قریب تھا۔ میں نے باہر جھانکا تو اندرا چاند کی روشنی میں باغیچے میں سے ہوتی ہوئی میرے کمرے کی طرف آ رہی تھی میں نے سوچا اندرا ٹیلیفون کے بارے میں دریافت کرے گی۔

پھر بھی میں آنکھیں بند کر کے سو گیا .... کمرے میں آہٹ ہوئی۔ روشنی چلائی گئی۔ میں آنکھیں بند کئے پڑا رہا روشنی بجھا دی گئی۔ میں نے آنکھیں نیم وا کر کے دیکھا...... اندرا میرے بالکل قریب کھڑی تھی .... ایک ثانیے کے لئے مجھ پر جھکی یہاں تک میں نے اُس کی سانس کو اپنے چہرے پر محسوس کیا اور پھر ایک دم وہ میرے بستر پر بیٹھ گئی ....

مجھے دفعتاً یہ احساس ہوا کہ یہی موقع ہے جب میں اندرا کو شکست دے سکتا ہوں۔ میں اپنے جذبات پر مکمل قابو پا چکا تھا۔ میں نے ایک دم جاگنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو تم"

اور جواب میں اندرا نے اپنے بازو میرے گلے میں ڈال دیئے اور وہ بڑی میٹھی سی آواز میں بولی۔

"میں .... اندرا .... ہوں"۔

نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے سختی سے بازو ہٹا دیئے اور ایک دم اپنے بستر سے اٹھ کر بغیر جوتے پہنے دروازے کی طرف بڑھا اندرا نے آواز بھی دی مگر میں باہر جا چکا تھا کمبل اٹھائے دوسرے کمرے میں گھس گیا اور دروازہ

اندر سے بند کر کے آہٹ لینے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد اندرا میرے کمرے سے نکلی اور پیر پٹختی ہوئی باغیچے کی طرف چلی گئی۔ میں دروازے کی دراڑ سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اور خوش تھا۔ کہ ایک امیر ترین لڑکی اپنی ہوس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے ملازم سے شکست کھا چکی ہے۔ اندرا کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اور میرا سر فخر سے اونچا ہوتا گیا۔

دوسرے روز صبح جب میں اٹھا تو اندرا باغیچے میں کرسی پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"بیٹھو" میں بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"رات میں آپ کے کمرے میں گئی تو آپ نے مجھ سے بات تک نہیں کی۔ اندرا اخبار پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

"وہ دراصل......... دراصل میں ڈر گیا تھا۔"

"اندرا مسکرائی "کس بات سے"

"صرف اس بات سے محترمہ کہ آپ مالک ہیں اور میں ملازم ایسی باتیں مجھے زیب نہیں دیتیں"۔

"ہوں...... کافی سمجھ دار ہو"۔

"رات دھیرو جی نہیں آئے تھے کیا؟" میں نے بات کا رُخ موڑ دیا۔

"آج اس سے بھی نپٹ لوں گی"۔

"وہ کیسے"

"بس دیکھتے جاؤ"

میں اٹھ کر کمرے میں جانے لگا تو اندرا نے کہا "سات بج رہے ہیں دو گھنٹے بعد تیار ہو کر آجانا" میں بہت اچھا کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ ناشتہ کرتے ہوئے مجھے اندرا کا وہ فقرہ یاد آرہا تھا "آج اس سے بھی نپٹ لوں گی"۔

میں نے اپنا کیمرہ نکالا اُس میں نئی فلم ڈالی اور جاکر کار کے ڈیش بورڈ میں رکھ دیا۔ نو بجنے میں پانچ منٹ پر میں گاڑی تیار کر کے اندرا کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد اندرا آئی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی بولی "آج سب سے پہلے دھیرو جی کے ہاں چلنا ہے"

رتن چند روڈ پر بھولا بھائی ڈیسائی کا بنگلہ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دھیرو جی اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اندرا کو لے کر دونوں میاں بیوی اندر چلے گئے اور میرے لئے چائے باہر بھجوا دی۔ تقریباً سوا دس بجے جب یہ لوگ پھر باہر نکلے تو تینوں کسی بات پر ہنستے ہوئے

آ رہے تھے۔

اندرا۔ "شیام! میں ذرا دھیرو جی کو ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

شیام۔ "کہاں"؟

اندرا۔ "ہمیں ایک فنکشن میں تقریر کرنا ہے۔"

دھیرو۔ (ہنستے ہوئے بولے) ہمیں نہیں صرف آپ کو۔ میں تو صرف تقریریں سننے کا کام کرتا ہوں۔

اندرا اور شیام دونوں مسکرا دیں۔

شیام۔ کب تک واپس آئیے گا۔

دھیرو۔ یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہے جب اجازت دیں گی چلا آؤں گا۔

اندرا۔ کیوں آپ اداس تو نہیں ہو جائیں گی۔

شیام شرما کر ساڑھی کا پلو منہ میں نوچنے لگی۔

اندرا:۔ میرے خیال میں دوپہر سے پہلے ہی واپس آ جائیں گے۔

شیام:۔ اچھی بات ہے۔

اندرا اور دھیرو جی گاڑی میں بیٹھ گئے گیٹ سے نکلتے ہی اندرا بولی۔

"ہوٹل امپیریل چلو"۔

دھیر و جی مسکرا دیئے۔

"وہاں کیسا فنکشن ہے؟"

"یہ تو آپ کو وہیں چل کر بتاؤں گی .... پہلے یہ بتائیے کہ رات آپ کو میرا کوئی پیغام نہیں ملا۔"

"ملا تو تھا .... مگر تم خود سوچو اندرا .... میں شیام کو اکیلے چھوڑ کر کیسے آسکتا تھا؟"

اندرا بڑے تیز لہجے میں بولی۔ "مانا شیام کا حق مجھ سے بڑھ گیا ہے۔ مگر دھیرو جی آکسفورڈ میں جو وقت ہم نے ایک ساتھ گزارا ہے اُس کو کیسے بھول جاؤں"

"ہائے ظالم! ..... کیا یاد دلا دیا ہے تم نے"

اندرا سرک کر دھیرو جی کے نزدیک ہو گئی۔ .... اور میں نے شیشے سے نظریں ہٹا لیں۔

ہوٹل امپیریل پہنچے تو اندرا نے کمرہ لینے کے لئے کہا میں اندر گیا اور منیجر سے مل کر ۱۹ نمبر کمرے کی ادائیگی کی۔ چابی لے کر باہر آنے کی بجائے کمرے کو کھولا۔ ملحقہ باتھ رُوم میں جا کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا یہ ہوٹل کے عقب میں کھلتا تھا دوبارہ کمرے کو بند کیا۔ اور جا کر بتا دیا کہ کمرہ نمبر ۱۹ میں چلے جائیں۔ ان کے جاتے ہی میں نے ڈیش بورڈ سے کیمرہ نکالا۔ اور ان کے کمرے میں پہنچنے سے قبل ہوٹل کے

پچھواڑے کی طرف سے باتھ روم میں پہنچ گیا۔ باہر کا دروازہ بند کر کے کمرے میں داخل ہوا۔ اور بیڈ کے نزدیک پردے کے پیچھے جا کر چھُپ گیا۔ ابھی سنبھلا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ کھُلا اور دھیرو جی اندرا کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوئے۔ بیرا بھی ساتھ تھا اُس نے آرڈر پوچھا تو اُسے کافی کے لئے کہہ دیا گیا۔

بیرا بھی کوئی مستعد ملازم تھا۔ صرف پانچ منٹ میں کافی رکھ گیا۔ اندرا باتھ روم میں تھی۔ دھیرو جی نے بیرے کو دس روپے کا نوٹ دیا اور وہ خوش خوش واپس چلا گیا

چند لمحوں بعد اندرا باتھ رُوم سے نکلی تو صرف بلاؤز اور انڈرویر میں ملبوس تھی۔ دھیرو جی نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو یہ کہتے ہوئے.........

"ارادے تو بڑے خطرناک دکھائی دیتے ہیں،" اٹھے اور کمرے کا بیرونی دروازہ بولٹ کر دیا۔ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ اٹھکیلیاں۔ گلے۔ شکوے شروع ہوگئے اور ساتھ ساتھ کافی کا دَور چلتا رہا۔ کافی ختم کرنے کے بعد دونوں بستر پر آگئے.........

....

.... اس کے بعد دو گھنٹوں کے درمیان میرے کیمرے نے جو مناظر اپنے اندر جذب کیے...... وہ ناقابل

بیان ہیں .... ہر ذی شعور آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔
میں نے اس روز ۱۶ ناقابلِ فراموش تصاویر بنائی جو آج
تک میرے پاس محفوظ ہیں۔
دھیرو جی کا کوٹ پردے کے ساتھ والی تپائی پر پھینکا گیا
تھا۔ وہ دونوں جب دنیا و مافیہا سے بے خبر گناہ کی وادیوں
میں گم تھے۔ میں نے چپکے سے کوٹ پردے کے پیچھے کھسکا کر
اور اس میں کل رقم ۱۲۰۰ روپے تھی جو میں نے نکال لی۔
اور اسے دوبارہ وہیں رکھ دیا۔
تقریباً ۲ گھنٹے سے زیادہ دیر کے بعد یہ دونوں جب
ہوش و خرد کی دنیا میں واپس آئے اور باہر چلے گئے۔ تو میں
فوراً باتھ روم کے راستے نکل کر کار میں جا بیٹھا۔ چند لمحوں بعد اندرا
آئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا۔
"پٹ لیا دھیرو جی سے"؟
"بدتمیز ...."
میں نے عقبی شیشے سے دیکھا تو اندرا مسکرا رہی تھی
اور یہ مسکراہٹ ایک شیطانی مسکراہٹ تھی ....
دھیرو جی ہوٹل سے نکلے اور سیدھے اندرا کی طرف
آئے۔ "اندرا! ...... وہ دراصل میں اپنا پرس دوسرے
کوٹ میں بھول آیا ہوں۔ کافی کا بل دے دینا"۔

اندرا نے اپنے پرس سے سو روپے کا نوٹ نکال کر دیا...... دھیرو جی بل دے کر آئے تو ہم اُن کو اُن کی قیام گاہ پر چھوڑتے ہوئے ڈاکٹر سنہا کی کوٹھی چلے گئے۔

ادھر پنڈت جی کو بھی اندرا کی ان مصروفیات بھنک پڑ گئی۔ انہوں نے کملا دیوی سے مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے اندرا کی شادی کر دی جائے مختلف لڑکوں کو زیرِ بحث لایا گیا۔ کملا دیوی کا خیال تھا کہ اندرا کی شادی ڈاکٹر کھارے سابق وزیرِ اعلےٰ صوبہ سی پی سے کر دی جائے۔ جبکہ پنڈت جی فیروز گاندھی کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔ اندرا سے رائے طلب کی گئی۔ تو اس نے ڈاکٹر کھارے کے حق میں ووٹ ڈالا۔

پنڈت جی نے کھارے کو الہ آباد آنے کی دعوت دی۔ مگر مقصد نہ بتایا۔ صرف اتنا لکھ بھیجا کہ آپ سے کچھ ضروری امور پر تبادلہ خیال کرنا ہے چند دنوں کے لئے آئیں

اندرا کی خوش قسمتی ملاحظہ کیجیے جس روز ڈاکٹر کی آمد کا تار آیا اسی روز پنڈت جی کو گاندھی جی نے دہلی طلب کر لیا اور یہ کھارے کی آمد سے ایک روز پہلے دہلی چلے گئے۔ دوسرے روز جب ہم کملا دیوی کی معیت میں سٹیشن پر ڈاکٹر کھارے کو لینے گئے تو اندرا ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی

میں ملبوس تھی ۔ جس میں اس کا حُسن کچھ اور نکھر آیا تھا۔
ساڑھے گیارہ بجے گاڑی آئی ۔ ڈاکٹر کھارے فرسٹ کلاس کے گیٹ میں کھڑے پلیٹ فارم پر نگاہیں دوڑا رہے تھے۔ کملا دیوی نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تو انہوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ کھارے ایک وجیہہ ۔ پرکشش اور صحت مند نوجوان تھے۔ آتے ہی کملا دیوی کے قدموں کو چھوا اور ہم لوگ ہنستے مسکراتے گھر آ گئے۔
چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر کملا دیوی کسی کام سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور اندرا ڈاکٹر سے کہنے لگی۔
" آئیے آپ کو آپ کا کمرہ دِکھا دوں"
" مگر ایک شرط ہے" کھارے مسکرا کر کہنے لگے"
" وہ کیا؟ " اندرا نے پوچھا"
" آپ اپنا کمرہ بھی دِکھائیں گی"
اندرا شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اٹھی اور کہنے لگی
" یہ بھلا کیسی شرط ہوئی کہیے تو سارا بھون دکھلا دوں"
" ضرور ۔ ضرور"
اندرا ڈاکٹر کھارے کو لے کر انہیں بھون دکھلانے لگی۔
" بھئی بہت خوبصورت بنا ہُوا ہے" کھارے دوسری کاریڈور میں مڑتے ہوئے بولے" اسے بنے ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا ہے۔؟" اندرا نے بتایا کہ یہ بھون پہلے محمود ولا کے

نام سے بنتا تھا۔ سر سید احمد خاں کے بیٹے جسٹس محمود نے
اسے تعمیر کرایا۔ ان سے راجہ کنور پر مانند ڈسٹرکٹ جج شاہجہاں
پور رئیس اعظم مراد آباد نے خریدا اور پھر جب پتاجی گیارہ
سال کے تھے تو مرحوم دادا جان (موتی لال نہرو) نے اُن سے خرید
لیا۔"

اندرا جب اپنے کمرے کے سامنے پہنچی تو بولتے بولتے ایک
دم خاموش ہو گئی۔ میں ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ میں نے
محسوس کیا کہ اندرا میری وجہ سے خاموش ہو گئی ہے۔ میں اندرا سے
اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ اور اندرا ڈاکٹر کو لے کر اپنے کمرے
میں چلی گئی۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد کسی کام سے کملا دیوی نے
مجھے بلا بھیجا۔ میں قصداً اندرا کے کمرے کی طرف سے گزرا تو
اندرا کہہ رہی تھی۔

"نہیں بھئی ایسے نہیں۔ لائیے میں خود دکھاتی ہوں"
کھارے کی آواز آئی"۔ آخر اس البم میں کونسی ایسی چیز
ہے جسے آپ چھپانا چاہ رہی ہیں"!

میں فوراً زینوں کے ذریعے چھت پر پہنچا اور اندرا کے کمرے
کے روشندان میں سے جھانک کر دیکھا۔ کھارے البم پکڑے
کمرے میں گھومتے جاتے اور دیکھتے جاتے۔ اندرا ان کے
پیچھے پیچھے لپکتی رہی۔ میں یہ دیکھ کر نیچے آ گیا۔ اس لئے کہ

کملا دیوی میرا انتظار کر رہی تھیں۔

ڈنر سے فارغ ہوئے تو کملا دیوی نے مجھے کہا کہ باہر بائیں باغیچے میں کرسیاں لگوا دوں۔ وہاں چاندنی میں بیٹھیں گے۔ میں نے وہاں کرسیاں لگوا دیں۔ یہ لوگ وہاں رات گئے تک بیٹھے رہے۔

رات تقریباً دو بجے ہوں گے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ ذہن اسی چھینا جھپٹی کی طرف چلا گیا۔ جو البم حاصل کرنے کے لئے ہو رہی تھیں۔ بلا مقصد اٹھ کر برآمدے میں آگیا۔ دیکھا تو اندرا کے کمرے میں روشنی جل رہی تھی۔ مگر کھڑکیوں پر دبیز پردے ہونے کی وجہ سے میرا تجسّس مجھے پھر ایک بار روشندان تک لے گیا تو...............

میں نے ڈاکٹر کھارے کو ایک وحشی کی طرح اندرا کو بھنبھوڑتے دیکھا.............. شائد اس نے کچھ پی بھی رکھی تھی............. اندرا کی حرکات اس وقت عاجزانہ دکھائی دے رہی تھیں۔ میں زیادہ دیر وہاں کھڑا نہ رہ سکا.......
اور اس مکروہ فعل پر ہزار صلواتیں سناتا واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

صبح ناشتے کی میز پر کملا دیوی دونوں کا انتظار کرتے کرتے تھک گئیں۔ میں اُدھر سے گزرا تو مجھے کہا دیکھو پہلے

تو کبھی اندرا اتنی دیر نہیں سوئی.........
جی میں آیا کہ کملا دیوی کو سب کچھ بتا دوں۔ مگر پھر سوچا کہ
اوّل تو یہ ماں ہے۔ بیٹی پر الزام برداشت نہیں کرے
گی۔ دوم میری نوکری کا معاملہ ہے۔ اور تیسرے یہ کہ
ان کے ذاتی افعال میں میرا مخل ہونا کچھ زیب نہیں دیتا
میں گیا تو اندرا باتھ رُوم سے نکل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے
لگی۔

"کیا بات ہے"

"ڈاکٹر کھارے نے آپ کے مزاج پوچھے ہیں" میں نے مسکرا
کر کہا۔ اندرا نے سمجھا شائد ڈاکٹر کھارے نے بھی
مجھے اپنا ہمراز بنا لیا ہے۔ کہنے لگی "نرائن! کھارے واقعی ایک
مَرد ہے"

"تجربہ ہو گیا ہے کیا؟"

اندرا آئینے کے سامنے جا کر بیٹھ گئی "ہاں"
اور میں حیران تھا کہ اندرا کس ڈھٹائی سے اپنے منہ سے
اقرار کر رہی ہے۔ لیکن گذشتہ واقعات کو دیکھتے ہوئے
میری یہ حیرانگی برقرار نہ رہ سکی۔

"کملا دیوی ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں"۔ میں
یہ کہہ کر واپس پلٹا تو اندرا کہنے لگی۔ مجھے ابھی تیار ہونے

میں ذرا دیر لگے گی۔ ممی کو کہہ دو وہ ناشتہ کر لیں۔

* * *

شیام لال اور اما نہرو کی لڑکی شیام کماری نہرو کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اما نہرو الہ آباد مونسپل بورڈ کی کمشنر تھیں اور بیٹی کو چند دن پہلے اپنے ہاں لے آئی تھیں۔ سہ پہر اندرا اور کملا دیوی دونوں ان کے ہاں مبارک باد دینے چلی گئیں۔ اور مجھے اس لئے گھر میں چھوڑ گئیں کہ ڈاکٹر صاحب گھر میں اکیلے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں گیا۔ اور چائے وغیرہ کے لئے پوچھا کہنے لگے۔

" ہاں چائے بھجوا دو .... اور ساتھ ہی تم بھی آنا کچھ باتیں کریں گے"

میں بیرے کو چائے کا کہہ کر ڈاکٹر کے پاس چلا آیا"

" بیٹھو" میں ایک قریبی کرسی میں بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر نے اپنی جیب سے پانچ سو روپے نکالے اور میری طرف بڑھا دیئے

" کچھ منگوائیں گے کیا؟ میں نے پوچھا۔

" نہیں یہ صرف تمہارے لئے ہیں۔ اور میں توقع رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں گا بالکل سچ بتلاؤ گے"

" ان کی کیا ضرورت ہے۔ آپ پوچھیئے میں اپنے علم کے مطابق

سچ کہوں گا"
" نہیں یہ پیسے تمہیں لینا ہی پڑیں گے"
" میں نے "شکریہ" کہہ کر نوٹ پکڑ لیئے۔ تو کھارے بولے
" رات مجھے اندرا نے بتایا تھا کہ پنڈت جی اس کی شادی میرے ساتھ کرنے والے ہیں"
میں نے کہا " جی ہاں .... لیکن ...."
" وہ ...... دراصل بات یہ ہے کہ آپ کا نام خود میں اندرا نے ہی لیا تھا"
" خیر .... میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اندرا کا کردار اپنی نجی زندگی میں کیسا ہے"
میں نے کہا " اچھا ہے"
ڈاکٹر کھارے کا لہجہ تیز ہو گیا " بکواس کرتے ہو"
میں نے کہا " جی .... میں .... بالکل سچ کہہ رہا ہوں"
ڈاکٹر صاحب بولے۔" میں کیسے مان لوں"..... جب شادی سے پہلے اندرا میرے نزدیک آسکتی ہے تو کیا وہ آج تک کسی اور کے نزدیک نہ گئی ہو گی۔ حالانکہ میری کل اندرا کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی تھی"
میں نے کہا " حضور ملازم ہوں .... اگر زبان کھول دوں گا تو .... نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے"

تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اس سے دگنی تنخواہ پر ملازم رکھ سکتا ہوں۔ مگر سچ سچ بتاؤ اندرا کا کردار کیسا ہے"!

اور پھر میں نے جب سے یہاں آیا ہوں۔ اس وقت سے لیکر اب تک کے حالات ان کے گوشگزار کر دیئے۔

سب کچھ سننے کے بعد وہ بولے۔" میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری زندگی کو ایک روگ لگنے سے محفوظ کر لیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارا نام نہیں لوں گا"!

اسی رات کملا دیوی نے ڈاکٹر سے بات کی اور وہ اندرا کی شادی اُن سے کرنا چاہتی ہیں۔ اور نتیجے میں ڈاکٹر کھارے صاف انکار کر گئے اور کملا دیوی کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس رات اندرا ڈاکٹر کے کمرے میں جاکر رو رو کر منت سماجت کرتی رہی مگر ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ اگر تم شادی سے پہلے میرے ساتھ رات بسر کر سکتی ہو تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم آج تک پاکدامن رہ چکی ہو۔ اس واقعے کے بعد تقریباً ایک ماہ تک اندرا ہروقت خاموش سی رہتی۔ پنڈت جی نے اپنے طور پر فیروز گاندھی کے والدین سے بات کی اور ۱۹۴۲ء میں اندرا کی شادی کر دی گئی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور فیروز کو شادی سے پہلے کے تعلقات کا حوالہ دے کر پنڈت جی سے شکایت کرنے کی دھمکی دی۔ مجھے زبان بند رکھنے کے لئے حسب توقع

فیروز نے دس ہزار روپے کا چیک دیا۔ جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے......

اسی سال مسٹر اور میڈم چیانگ کائی شیک ہندوستان آئے مسٹر چیانگ کو دیکھ کر اندرا پھر بہک گئی۔ میڈم چیانگ اِن کی راز دال بن گئی اور پھر

سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا

آگرہ کی سیر کرنے کے بہانے مسٹر چیانگ نے پنڈت جی اور اندرا کو ساتھ لیا۔ فیروز گاندھی کے منع کرنے کے باوجود اندرا ان کے ساتھ چلی گئی۔ شادی کے بعد فیروز کے ساتھ اندرا عموماً بے رُخی سے پیش آتی رہی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اندرا نے مسز اندرا گاندھی بنتے ہی مجھے ملازمت سے برخاست کرنے کی دھمکیاں دیں۔ مگر پنڈت جی کی مداخلت سے ہر بار مجبور ہو جاتی کہ مجھے بحیثیت باڈی گارڈ اپنے ساتھ رکھے۔

فیروز گاندھی سے دل بھرنے کے بعد اندرا گاندھی نے موقع شناسی کا ایک اور ثبوت مہیا کیا کہ اس نے گذشتہ تمام اختلافات بھلا کر میرے ساتھ صلح کرلی۔ اس نے یہ سمجھا کہ پریم ناراتن کو اعتماد میں لیئے بغیر مجھے کھل کھیلنے کا موقع نہیں مِل سکتا۔ اب اندرا روزانہ کلب جاتی۔ ہر روز کوئی

نیا ساتھی چنتی اور رات گئے گھر واپس آتی۔ فیروز انتظار کرتے کرتے تھک کر سو جاتے۔ اس طرح ڈیڑھ سال گزر گیا اور اندرا دن بدن فیروز سے دور ہوتی چلی گئی۔

یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک گزٹ کے ذریعے یہ اعلان کیا تھا۔ کہ ہم ہندوستان کو نوآبادتی بنیاد پر آزادی دیں گے۔ اس وقت سے آج تک کانگریس اور مسلم لیگ زور شور سے مصروفِ عمل تھیں۔ آخر جب انگریزوں نے دیکھا کہ ان کے اختلافات اس طرح حل نہیں ہوں گے تو لارڈ ویول کی سرکردگی میں شملہ کانفرنس کا انعقاد کیا۔ تاکہ کوئی راہ عمل متعین کی جا سکے۔ اور باہمی اختلافات کو ختم کرایا جا سکے۔

اندرا بھی پنڈت جی کے ساتھ، ہر مباحثے اور ہر محفل میں شریک ہوتی۔ ایک روز دن بھر کی مصروفیات کے بعد جب اندرا اپنے کمرے میں واپس آئی تو مجھے بلا کر کہنے لگی۔

"نارائن میں چاہتی ہوں کہ ویول سے خود بات کروں"

" جیسے آپ مناسب سمجھئے"

" اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ یہ ملاقات تنہائی میں ہو تاکہ میں اسے اپنی قوم کے اپنی جماعت کے نظریات سمجھا سکوں۔ کیونکہ ویول مسلمان لیڈروں سے خاصے مرعوب دکھائی دیتے

ہیں - اور کہتے ہیں۔ ان کے دلائل خاصے مضبوط ہیں۔

"تو گویا آپ بھی ان کے دلائل کی مضبوطی کا اعتراف کر رہی ہیں"۔

"ہاں نرائن۔ لیکن ہم شکست ماننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے"۔

"لارڈ ویول کو آپ قائل کر سکیں گی"۔

"کوشش کروں گی۔ اگر میں جیت گئی تو ہم مسلمانوں پر ساری عمر راج کریں گے"۔ اور پھر دیکھیں گے کس طرح وہ ہم سے ٹکر لینے کا خیال دل میں پیدا کر سکتے ہیں"۔

"تو ٹھیک ہے مل دیکھیئے؟"

"مگر اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"۔

"حکم کیجیئے"۔

"تم کسی طرح لارڈ کے پی۔ اے سے ملو اور ان سے معلوم کرو کہ لارڈ عورتوں کے معاملے میں کیا رائے رکھتے ہیں"۔

"میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا" کیا مطلب"۔

"اب اتنے بدھو بھی تو نہیں ہو۔ پی اے سے مل کر یہ معلوم کرو کہ اگر کوئی لڑکی لارڈ سے ملنا چاہے تو کیا وہ اُسے وقت دے سکیں گے"۔

میں خاموش رہا اندرا پھر بولی۔ " ہوں! .... معلوم ہوتا ہے حسبِ دستور کچھ رشوت چلے گی"۔ میں مسکرا دیا

اور اندرا نے اپنے پرس میں سے دو سو روپے نکال کر مجھے دیئے۔

"اوں۔ ہوں......... یہ تو بہت کم ہیں"

اندرا نے ایک سو روپے کا نوٹ اور دے دیا "بس اس سے زیادہ نہیں!"

میں نے نوٹ جیب میں ڈالے اور پوچھا

"آپ اُن کو کب تک ملنا چاہتی ہیں۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے"

"اچھا کوشش کروں گا"

اور میں اندرا کے کمرے سے نکل کر سونے چلا گیا۔

دوسرے روز صبح تقریباً گیارہ بجے میں لارڈ کی قیامگاہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ مسلم لیگ کے زعماء سے تبادلہ خیال میں مصروف ہیں۔ میں اُن کے پی. اے سے ملا۔ اور اُسے بتایا کہ پنڈت جوہر لال نہرو کی بیٹی اندرا لارڈ سے ملنا چاہتی ہیں

"کس لیئے"؟

"شائد کانگریس کے نقطۂ نظر سمجھانے کے لئے؟"

"مگر یہ کام تو اس کے والد پہلے ہی کر رہے ہیں"!

"وہ چاہتی ہیں کہ وہ خود لارڈ سے مل کر اُن سے بات کریں"

"اچھا تُم دو تین گھنٹے بعد ٹیلیفون کرنا۔ اس دوران میں لارڈ سے اجازت لے لوں گا۔"

"بہت بہتر۔ لیکن اتنا خیال ضرور رکھیئے گا کہ اندرا لارڈ سے ملنے کیلئے بہت مُصر ہے۔"

پی اے مُسکرا اُٹھا اور کہنے لگا "ہاں یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا بہر حال کوشش کر دوں گا۔

تین بجنے میں شاید دس منٹ باقی تھے میں نے ٹیلیفون پر پی اے سے رابطہ قائم کیا تو اس نے بتایا کہ لارڈ پہلے تو مانتے ہی نہیں تھے۔ پھر اُنھوں نے کہا ہے کہ شام ساڑھے چار بجے چائے پر بلا لو۔ اندرا گاندھی کو آپ ساڑھے چار بجے چائے پر بھیج دیں۔ وہیں وہ ملاقات کر سکتی ہے۔"

میں نے جب یہ پیغام اندرا کو دیا تو وہ کچھ مضمحل سی ہو گئی کہنے لگی "میں نے تمھیں کہا تھا کہ علیحدگی میں ملنا چاہتی ہوں۔" میں نے دوبارہ ٹیلیفون کیا اور پی اے نے بتلایا کہ لارڈ عموماً چائے پر تنہا ہی ہوتے ہیں۔

میرے پاس ایک چھوٹا ٹیپ ریکارڈ بھی تھا۔ جب میں اندرا اور پنڈت جی کے ساتھ رُوس کے دَورے پر گیا تو میں نے یہ ٹیپ ریکارڈ وہاں سے خریدا تھا۔ اس کی صفت یہ تھی کہ یہ چار ٹریک کا ٹیپ ریکارڈ تھا۔ اور اس کے مائیک کی تار بہت

ہی باریک اور کافی لمبی تھی۔ شام چار بجے میں جب اندرا
کو لے کر لارڈ کی قیام گاہ پہنچا تو یہ ٹیپ ریکارڈ میرے ساتھ تھا۔
اندرا کو ڈرائینگ روم میں بٹھایا گیا۔ اور میں نے ، پی اے
سے یہ پوچھا کہ چائے لارڈ کون سے کمرے میں پیئں گے۔ اس نے
بتایا کہ شائد ڈرائینگ روم میں ہی پیئں گے۔

"میڈم اندرا چاہتی ہیں کہ چائے سے پہلے لارڈ کی قیامگاہ

کی سیر کر لی جائے۔"

پی اے بولا۔" ہاں ہاں بڑے شوق سے"

میں ڈرائینگ روم میں گیا اور اندرا سے کہا

" پی اے کہتا ہے کہ چائے تک آپ لارڈ کی قیامگاہ کی
سیر کر لیجئے۔" اندرا میرے ساتھ ساتھ باہر نکلی۔ پی اے
ہمیں ساتھ ساتھ تفصیل بتاتا جا رہا تھا۔ میں نے باتھ روم میں
جانے کی اجازت چاہی اور دوبارہ ڈرائینگ رُوم میں چلا آیا۔
مائیک کو صوفے کی پشت کے ساتھ فکس کیا اور تار بغلی دروازے
کے نیچے سے نکال کر ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ اور اسی،
دروازے کی دوسری طرف پردے کے پیچھے ٹیپ ریکارڈ رکھ
کر اس کو کنکشن دے دیا۔ اس کام سے جلد فارغ ہو کر میں
اندرا اور پی اے سے آملا۔ سیر کرنے کے بعد وہ واپس ڈرائنگ
رُوم میں آکر بیٹھ گئی اور لارڈ کے آنے پر میں اٹھ کر کمرے سے

باہر نکل گیا اور دوسروں کی آنکھ بچا کر ساتھ والے
کمرے میں ٹیپ ریکارڈ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

تقریباً ۲/۱ ۲ گھنٹے بعد اندرا بڑے متاسف انداز میں وہاں
سے نکلی۔ لارڈ بابر باغیچے میں چلے گئے۔ میں نے جلدی سے مائیک
نکالا اور پشت کی طرف سے دیوار پھلانگ کر گیٹ کی طرف آیا۔
اندرا مجھے ڈھونڈ رہی تھی۔ میں گیٹ سے داخل ہوا تو کہنے لگی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

میں نے بتایا کہ یہاں قریب ہی میرے ایک جاننے والے
تھے میں نے سوچا جب تک آپ یہاں سے فارغ ہوں میں اُسے
مل آؤں۔

"چلو جلدی سے گاڑی لاؤ۔"

میں گاڑی سٹارٹ کر کے لے آیا۔ اندرا بیٹھ گئی اور میں
نے گاڑی گیٹ سے نکال لی۔ میں نے پوچھا "لارڈ آپ کے
نظریات سے متفق ہو گئے کیا؟" اندرا جل کر بولی "نہ جانے
ان مسلمانوں نے اُس پر کیا جادو کر دیا ہے وہ انہی کی
طرفداری کرتا ہے۔" میں مسکرا کر بولا "مگر اُن کے پاس تو کوئی اندرا
نہیں۔"

"بدتمیز" اور میں خاموش ہو گیا۔

گھر آ کر میں اپنے کمرے کو اندر سے بند کر کے بیٹھ

گیا اور ٹیپ ریکارڈ کی ساری گفتگو سُنی ۔ جس انداز میں اندرا کو لارڈ نے ذلیل کیا وہ ناقابلِ بیان ہے ۔ اندرا لارڈ کو فلرٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر لارڈ نے اپنا دامن بچائے رکھا ۔ اندرا نے پُراثر الفاظ میں اپنی قوم (ہندوؤں) کے مفادات بیان کئے مگر لارڈ کا یہ فقرہ اندرا کے لئے ایک طنز تھا ۔

"اگر مسلمانوں کے پاس تم ایسی لڑکی ہوتی بھی تو وہ اپنے نظریات مجھ تک پہنچانے کے لئے اُس کا سہارا کبھی نہ لیتے"۔

بہر حال اندرا لارڈ کو اپنے شیشے میں اتارنے میں بُری طرح ناکام رہی ۔ اور لارڈ اپنے مضبوط کردار کی وجہ سے اندرا کے فریب میں نہ آسکا ۔ جس بُری طرح اور جن بُرے الفاظ میں انہوں نے اندرا کی دعوت کو ٹھکرایا وُہ الفاظ آج بھی میرے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہیں ۔

لکھنؤ میں جب مسلم کش فسادات شروع ہوئے تو،
اندرا نے کانگریس ٹیم کے ساتھ اِس علاقے کا دَورہ کیا۔ کانگریس
کے جو زعماء اس دورے میں اندرا کے ساتھ ساتھ تھے اُن
میں مسٹر شکلا بھی شامل تھے۔ جو کہ ایک عرصہ سے اندرا کی
چاہت میں گرفتار تھے مگر اندرا کی معزور طبیعت کے سامنے بے۔
بس بھی تھے۔ یہاں روز و شب مختلف جگہوں پر مسلمانوں کے
خلاف کی جاتیں اور ہندوؤں کے جذبات ابھارے جاتے۔
اٹھارہ روز مسٹر شکلا اندرا گاندھی کے ساتھ اس دورے
میں شریک رہے۔ اور اندرا کی نظرِ التفات حاصل کرنے میں
کامیاب ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ اُنھوں نے تمام تر دیرینہ حسرتوں
کو پورا کیا۔ یہاں تک کہ واپسی پر بھی تین روز الہ آباد میں
اندرا کے مہمانِ خصوصی رہے۔ فیروز گاندھی ان دنوں ایک
اینگلو انڈین لڑکی کی زلفِ گرہ گیر اسیر ہو چکے تھے۔ اُنھیں
خود اتنی فرصت نہ تھی کہ اندرا سے کوئی گِلہ کر سکتے۔
اب تک اس کتاب میں میں جو کچھ لکھ چکا ہوں ان
حقائق کے پیشِ نظر آپ کو یہ سُن کر تعجب نہیں ہوگا کہ

۱۹۴۴ء میں جب اندرا نے اپنے پہلے بچے "راجیو" کو جنم دیا تو فیروز گاندھی کو اندرا سے ملے تقریباً ایک سال اور دو ماہ ہو چکے تھے۔

مسٹر فیروز کو جب لڑکے کی پیدائش کی خبر ملی تو پہلے تو وہ بہت سیخ پا ہوئے۔ مگر اندرا ان کو خاطر میں کب لانے والی تھی۔ اُس نے اُس عیسائی لڑکی کے فیروز کے تعلقات کے مقابلے میں ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ فیروز مجبوراً حالات سے مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔

میری ان باتوں کی تصدیق وہ حضرات کر سکتے ہیں جنہوں نے "راجیو" اور "شکلا" کو قریب سے دیکھا ہے۔ آپ یقین کریں کہ دونوں کی شکلیں مبالغے کی حد تک ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ دونوں کے نین نقش بالکل ایک سے ہیں۔ اب میں اس سلسلے میں زیادہ ثبوت نہیں دے سکتا۔

بچے کی پیدائش کے بعد کافی عرصہ تک اندرا کے جنسی جنون میں، میں کمی محسوس کرتا رہا۔ اب وہ پہلے کی طرح ہر نوجوان کے ساتھ بے تکلف ہونے سے کترانے لگی تھی۔ شاید اولاد ہی اس کا مطمح نظر تھا۔ یا زیادہ دیر گناہ کی وادیوں میں بھٹکتے رہنے کے بعد اُسے کچھ ہوش آگیا تھا۔ بہر حال "راجیو" کی پیدائش کے اندرا وہ پہلی سی عیاشں نہ رہی۔ اب وہ صرف سماجی

اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں مصروف رہتی یہ اس کا معمول بن گیا تھا۔ اس دوران کئی دفعہ دیوداس اور دھیرو جی نے اندرا کو پرانی ڈگر پر لانا چاہا لیکن اندرا اب شاید ان راستوں سے تنگ آچکی تھی۔

سوائے سیاست میں حصّہ لینے یا اپنے بیٹے راجیو کے ساتھ وقت گزارنے کے اُسے کسی دوسری مصروفیت میں، میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہاں جب کبھی اداس ہوتی یا فیروز گاندھی کسی دوسری عورت کے ساتھ ہوتے تو اندرا ڈائیلن لے کر بیٹھ جاتی اس سے دل بھر جاتا تو مغربی موسیقی کے ریکارڈ لگا کر سنتی رہتی۔ اس نے کبھی فیروز گاندھی کی مصروفیات میں دخل نہیں دیا تھا۔ وہ جب کبھی اندرا سے بات کرتے تو اندرا بے رُخی سے جواب دیتیں۔ اور یہ صرف میں ہی جانتا تھا کہ شادی کے چند ماہ بعد سے لے کر آج تک اندرا نے اپنے شوہر کے ازدواجی حقوق کبھی ادا نہیں کیئے۔ انتقاماً فیروز کا دُوسری عورتوں سے دل بہلانا حالات کا تقاضا تھا۔ جسے وہ پورا کرتا رہا۔

۱۹۴۵ء مارچ میں اندرا فیروز سے ناراض ہو کر الہ آباد چلی گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ نقل مکانی کر گیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد پنڈت جی نے فیروز گاندھی کو بھی الہ آباد بلا لیا۔ فیروز پنڈت جی سے کچھ دبتے تھے۔ لہٰذا ظاہراً طور پر وہ اندرا سے راضی ہو گئے مگر اندرا الہ آباد چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی۔

انہی دنوں ایک نوجوان وکیل سردار بلونت سنگھ نے الہ آباد میں پریکٹس شروع کر دی۔ ایک روز وہ پنڈت جی سے ملنے آئے۔ پنڈت جی کچھ غیر ملکی مہمانوں سے مذاکرات میں مشغول تھے۔ سردار جی اندرا سے ملے اور بتایا کہ "میری پریکٹس کچھ اچھی نہیں چل رہی۔ الہ آباد انڈین پولیس کی سی آئی ڈی برانچ میں انسپکٹروں کی کچھ آسامیاں خالی ہیں اگر پنڈت جی میری سفارش کر دیں تو میں ملازم ہو جاؤں گا۔"

اندرا نے اسے دوسرے روز آنے کے لئے کہا مگر شاید اُس کا سڈول جسم اندرا کو بھا گیا تھا۔ دوسرے روز پنڈت جی کا بمبئے جانے کا پروگرام تھا۔ اندرا کو بخوبی علم بھی تھا

پھر بھی اس نے سردار جی کو بُلا لیا تھا۔

دوسرے روز سردار جی شام چھ بجے حسب وعدہ آ گئے۔ مجھے تاکید کی گئی کہ سردار جی کو ڈرائنگ رُوم کی بجائے، لائبریری میں بٹھاؤں۔ میں نے سردار جی کو لائبریری میں بٹھا کر اندرا کو اطلاع کر دی۔ اندرا کی آنکھوں وہ مخصوص چمک پیدا ہو گئی۔ جو گذشتہ ڈیڑھ برس سے ناپید تھی۔

"اُسے یہیں بلا لاؤ"

اور میں سردار جی کو وہیں بلا کر لے آیا۔

رات تقریباً گیارہ بجے اندرا نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے حکم دیا کہ میں سردار جی کو اُن کے گھر چھوڑ آؤں میں نے گاڑی نکالی اور سردار جی کو ان کے گھر چھوڑ آیا۔ جاتی دفعہ اندرا نے سردار جی سے میرے سامنے وعدہ لیا کہ وہ ہر دوسرے تیسرے روز شام کو آجایا کریں۔

اور پھر سردار جی کا یہ معمول بن گیا کہ وہ ہفتے میں کم از کم دو بار ضرور اندرا کے پاس آتے اور رات گئے مجھے یہ حکم ملتا کہ میں اُن کو چھوڑ آیا کروں

کچھ عرصہ تو یہ چکر بالکل صحیح طریقے سے چلتا رہا۔ مگر ایک روز جب فیروز رات گئے اپنی پارٹنر کو الوداع کہکر واپس

آرہے تھے عین اسی وقت اندرا سردار جی کو لے کر اپنے کمرے سے نکلے۔ فیروز ایک ستون کی آڑ میں ہو گئے۔ برآمدے کے آخری کونے میں آکر جب سردار جی کو الوداعی بوسہ دینے لگی تو فیروز نے ایک دم لائٹ جلا دی۔ اندرا پہلے تو گھبرا سی گئی مگر پھر سنبھل کر کہنے لگی۔

"مسٹر فیروز۔ میں نے کبھی آپ کی مصروفیات میں دخل نہیں دیا" فیروز چنگھاڑتے ہوئے سردار کے عقب میں لپکے۔ سردار جی گیٹ کی طرف بھاگ گئے اور اندرا فیروز سے الجھ گئی۔ میں گاڑی کے پیچھے اکڑوں بیٹھا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ شور کی آواز سن کر پنڈت جی اپنے کمرے سے گاؤن کے بٹن بند کرتے پستول ہاتھ میں لئے بڑی گھبراہٹ میں نکلے۔ ان کے آنے پر فیروز نے سارا معاملہ بتایا۔ اندرا بالکل خاموش رہی۔ پنڈت جی نے زندگی میں پہلی اور شاید آخری مرتبہ اندرا کے دائیں رخسار پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کیا اور اندرا اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ علی الصبح فیروز بھی واپس چلے گئے اور پنڈت جی نے مجھے بھی سخت سست کہا کہ میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہوں۔ اور ساتھ ہی تنبیہہ کی کہ اگر آئندہ کبھی ایسا ہوا تو مجھے نوکری سے برطرف کر دیا جائیگا۔

معذرت

(مترجم کی طرف سے)

مجھے افسوس ہے کہ چند وجوہات کی بنا پر اس سے آگے کے ۹ صفحات کا ترجمہ میں شامل اشاعت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ

"اُس میں چند پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں"

کسی مصلحت کے تحت

مذکورہ ۹ صفحات کا ترجمہ شاملِ اشاعت نہ کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔

آئی۔ ایچ چوہدری

۱۹۴۵ء ہی میں بمبئے کی مشہور فلم کمپنی چیترجی آدرش نے اخبار میں اپنی فلم کے لئے ہیروئین کا اشتہار دیا۔ یہ معلوم نہیں کہ انہیں واقعی کسی ہیروئین کی ضرورت تھی یا نہیں کیونکہ اس کے مالک اور معاون انتہائی عیاش اور رسوائے زمانہ تھے۔ اس کمپنی کے متعلق مشہور تھا کہ ڈی پی مصرا سابق وزیر اعلیٰ اس کے روح رواں ہیں۔ موصوف اغوا کے ایک مقدمے میں بھی ملوث رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ وزارت سے پہلے اپنے ڈرائیور نانا لیڈو کے ذریعے ایک مسلمان نابالغ لڑکی مسماۃ حسینہ کو اغوا کیا۔ مختلف مقامات پر اس کی آبرو ریزی کی گئی۔ پولیس نے لڑکی برآمد کی مقدمہ بنا مگر کانگرس کے ایک سرگرم کارکن کو عدالت سزا کس طرح دے سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے وزیر بنتے ہی مقدمہ واپس لے لیا گیا۔

بہر حال بات "چیترجی آدرش" کی ہو رہی تھی۔ اندرا کے من میں پتہ نہیں کیا سمایا کہ وہ بھی وہاں انٹرویو کے لئے تیار ہو گئی۔ حسب معمول میں بھی ساتھ تھا۔ ڈی پی مصرا ہمیں وہیں ملے۔ اندرا کو آڈیشن کے لئے سٹوڈیو لے جایا گیا۔ آڈیشن کامیاب رہا۔ شام کو مصرا نے ڈنر پر بلایا۔ اور ڈنر کے بعد .... اندرا وہاں سے رات کے تقریباً ۲ بجے فارغ ہوئی............ دوسرے روز اندرا کی سکرین بیوٹی ٹسٹ کی گئی اور یہ اس میں بھی کامیاب رہی ...... وہاں میں نے اسے زندگی میں پہلی بار شغلِ مے نوشی کرتے بھی دیکھ

اور مصرا ریہرسل کرانے کے بہانے جو حرکتیں کرتے وہ بھی میرے علم میں تھیں۔ میں نے فوراً ایک تفصیلی ٹیلیگرام پنڈت جی کے نام لکھا۔ جو ان دنوں صوبہ سرحد کے دورے پر تھے۔ کملا دیوی ہسپتال میں تھیں تیسرے روز پنڈت جی نے اندرا کو بذریعہ ٹیلی گرام اپنے پاس آنے کی تاکید کی۔ اور پھر پنڈت جی نے خلاف توقع اندرا کو اپنے پاس بٹھا کر بڑے آرام سے مدلّل بحث کے بعد اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے باپ کی عزت کا آئندہ خیال رکھے۔

مئی ۱۹۴۶ء میں اندرا نے ایک اور بچے "سنجے" کو جنم دیا اور فیروز گاندھی بچے کی پیدائش سے چند ماہ پہلے پنڈت جی کی کوششوں سے اندرا سے صلح کر چکے تھے۔ مگر اندرا کے رویے کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے کبھی اندرا کے ذاتی معاملات میں دخل نہ دیا تھا اور اندرا نے بھی ان کی مصروفیات کو کبھی قابل اعتنا نہ سمجھا تھا۔ لہٰذا ایک دوسرے کے قریب رہ کر بھی ایک دوسرے کے لیے بیگانے تھے۔ دوسرے بچے کی پیدائش سے پہلے باوجود صلح کے بھی کبھی میں نے دونوں کو اکھٹے بیٹھے نہیں دیکھا یہاں تک کہ کھانا بھی دونوں علیٰحدہ کمروں میں کھاتے تھے۔ ہوسکتا ہے آپ میری ان باتوں کو غلط سمجھیں مگر میں اپنے مرحوم بھائی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اب تک جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ بالکل سچ ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ملکی تقسیم کے معاملات طے ہو رہے تھے تو

میں نے اندرا کو ایک بار پھر عورت کے روپ میں دیکھا۔ اس نے اپنی عزت داؤ پر لگائی۔ اور اپنے دیس کے لئے جو کچھ کر سکتی تھی کیا دنیا والے باطنی باتوں سے بے خبر تھے مگر یہ صرف میں جانتا ہوں کہ کشمیر جوناگڑھ، مناودر، حیدر آباد وغیرہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی۔ محض اندرا کی وجہ سے بھارت میں شامل ہوئے۔ اور اندرا نے کئی دفعہ اسے باعث فخر بھی قرار دیا ہے کہ میری وجہ سے ہندوستان کو جو فوائد حاصل ہوئے۔ وہ کسی دوسرے کے بس کا روگ نہ تھے۔ اندرا اپنی اس کامیابی پر اتنی خوش تھی کہ تقسیم کے بعد بھی اُس نے ان کو کبھی مایوس نہیں کیا جن کی وجہ سے اسے یہ کامیابی نصیب ہوئی، پنڈت جی خود حیران تھے کہ یہ تمام نوازشات ہمیں کیسے حاصل ہوئیں یہ میں آج پنڈت جی کو بتا رہا ہوں، پنڈت جی کان کھول کر سن لیں یہ سب کرم نوازی آپ کی سپتری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ کی بیٹی میں یہ گن نہ ہوتے۔ تو آج آپ کشمیر، حیدر آباد، گوا، مناودر، جوناگڑھ ناگاڈں سے محروم ہوتے۔ اور میں یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کروں گا کہ یہ سب کچھ آپ کی عملی سیاست کی وجہ سے نہیں بلکہ اندرا کی جنسی سیاست کی وجہ سے ہوا ہے آپ اگر کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ تو اسے اپنے دل سے نکال دیں۔

اور اگر اندرا میرے ان دعوؤں کو جھٹلانے کی کوشش کرے گی تو میں اس کے سامنے آ کر اسے وہ ثبوت پیش کروں گا۔ جن کی بنا پر میں یہ حقائق

وستم کئے ہیں۔ میں اندرا اور پنڈت جی کو یہ بتا دوں گا کہ میرے بے گناہ بھائی کو پھانسی کے پھندے پر چڑھا کر انہوں نے میرے سینے میں دبے ہوئے رازوں کو افشا کرنے پر مجبور کر کے خود اپنے پاؤں پر بھی کلہاڑی ماری ہے۔ مسلمانوں کا قتل کوئی ایسا ناقابلِ معافی جرم نہیں تھا جس کی معافی ممکن نہ ہوتی۔ یہ قوم ہے ہی اس قابل کہ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ پھر میرے پیارے بھائی نے کونسا ایسا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے اس کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ کیا اندرا یا پنڈت جی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ سکتے ہیں کہ مسلم دشمنی کی بنا پر وہ آج تک جو کچھ کرتے رہے ہیں، وہ ان کو زیب دیتا ہے۔ مگر میری طویل خدمات کا صلہ مجھے جس انداز میں دیا گیا ہے۔ وہ ہے۔ پنڈت جی اور اندرا کی مکمل خاموشی ...... اور شاید انہیں یہ غلط فہمی بھی تھی کہ میرا بھائی پھانسی کے پھندے پر بھی چڑھ جائے گا۔ اور میں خاموش بھی رہوں گا......... ہرگز نہیں۔ میں چیخ چیخ کر دنیا والوں کو یہ بتاؤں گا کہ انصاف کے حامی اپنے ذاتی کردار میں خود کتنے بڑے مجرم ہیں ...... پاپی ہیں۔ اب اگر مجھے بھی ان حقائق کو منظر عام پر لانے کے جرم میں پھانسی دے دی جائے۔ تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ میں اپنا انتقام لے چکا ہوں۔

اندرا گاندھی دے نال

تنگ لئے نیں اندرا گاندھیئے نی تیرے قول فعل تے ہیں کردار سا

(۱) تیرے جیہی نہ بے حیا ویکھی ویکھے ہین ایہہ ہیں سنسار سارے

پانی مر گیا تیریاں اکھیاں دا، چادر عصمت دی لائی پرے وگا ہینئیں

(۲) ٹھوہں ہوس دے ہو مجبور توں تے عزت اپنی لئی گوا ہینئیں

ماتا تیری کوئی پتھر جم لیندی یا فیر آئے وقت توں نال دی
(پا لڑ دو نوں وقت تے)

(۳) یا جاندرو انھی دھی ہندی جیہڑی گھر دے وچ تے لہہ دی

(۴) عصمت اپنی تے عزت ماپیاں دی سرِ عام جے کیوں نیلام کی

ہندو قوم دا سر جھکا دتا اے شرم لاہ کے پانی چ گھول

(۵) ڈب مرنی تک ڈبو کے تے جمنا وچ کوئی تیر دی لاش ک

تیرا اگلا نا ہوئے جہان اُتے ہووا وچ دی نہ تیری خاک

نوٹ :-

پچھلے ورقے تے لکھی ہوئی نظم شاعر "فہم کلیم"
دے اہنے۔ قلم تے ایتے ہتھ نال لکھی ہوئی اے۔ جلد
کران لگیاں کجھ اکھر میٹ گئے سن ایس لئی
لکھ دتی ہے کہ کوئی نظم دے لوڑ دے سواد وچ وڈ
آ دے۔

محمد اکرم جاوید

"..... کی تخفیص نہیں مسٹر نارائن ..... میں ہر نوجوان مرد کو پسند کرتی ہو
مگر یہ کمینہ سمجھتا ہے کہ میں اس کی جاگیر ہوں زرخرید لونڈی ہوں ....

مصنّف کا دعویٰ

"میں اپنے مرحوم بھائی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں
- میرے پاس ان عشقیہ خطوط کی نقلیں اور وہ رُقعے موجود ہیں جو اندرا
مختلف افراد کو میری وساطت سے بھجوائے۔
- جب اندرا دھیرو بھائی ڈیسائی کے ساتھ ہوٹل امپیریل کے کمرہ نمبر ۱۹
شادی سے پہلے آنند بھون میں فیروز گاندھی کے ساتھ داد عیش دے
میں پردے کے پیچھے کیمرہ لئے کھڑا تھا
- میرے پاس دس ہزار روپے کا وہ چیک موجود ہے جو شادی سے پہ
فیروز گاندھی نے مجھے اس لالچ میں دیا تھا کہ میں ان کے دیرینہ تعلقا
طشت از بام نہیں کروں گا۔
- شملہ کانفرنس کے موقع پر اندرا نے لارڈ ویول کو شیشے میں اتارنے کی
ناکام کوشش کی اور ۲½ گھنٹے بعد اس کے کمرے سے جس طرح
ہو کر نکلی یہ راز آج بھی میرے ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ ہے۔

اور ..... خود مصنّف پر ایک رات کیا بیتی .....